© rasailojaraid.com

وہ اپنی مقرر کردہ قیمتوں پر لوگوں کو مال دلوانے کا انتظام نہ کریں۔ اس چیز کا انتظام کیے بغیر محض اشیاء کے نرخ مقرر کر دینے کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں کے پاس اشیاء کے ذخائر ہوں وہ ان کو چھپا دیں اور یا تو چیزیں بیچیں ہی نہیں یا قانون کی گرفت سے بچتے ہوئے خفیہ طور پر زائد قیمتوں پر بیچیں۔ جو حکومت اس نتیجہ سے محض عقلاً ہی نہیں بلکہ از روئے تجربہ بھی واقف ہو اور پھر نرخ مقرر کرنے کی پالیسی اختیار کرے اس کو اخلاقاً یہ مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے کہ لوگ اس کے مقرر کردہ نرخوں کی پابندی کریں۔ یہ ظاہر بات ہے کہ عام خریدار، خوردہ فروش اور چھوٹے تاجر بڑے صاحب ذخیرہ لوگوں سے اگر حکومت کے مقرر کردہ نرخوں پر مال خریدنا چاہیں تو انھیں کچھ نہیں مل سکتا اور اگر چور بازار سے زائد قیمتوں پر مال خریدیں تو ان کے لیے یہ غیر ممکن ہے کہ اس مال کو حکومت کے مقرر کردہ نرخوں پر آگے بیچ سکیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی ضرورت پوری کرنے یا اپنی روزی کمانے کے لیے چور بازار سے مال خریدتا ہے اور زائد نرخوں پر اسے فروخت کرتا ہے تو وہ کسی اخلاقی جرم کا ارتکاب نہیں کرتا۔ اگر اسے گرفتار کر کے مقدمہ چلایا جائے تو یہ حکومت کا مزید ایک ظلم ہوگا۔ ہمارے رفقاء میں سے جو لوگ تاجر ہیں انھیں اگر ایسی صورت پیش آئے تو ان کو چاہیے کہ کچہری میں وکیل کے بغیر حاضر ہو کر اس پوزیشن کو صاف صاف مجسٹریٹ کے سامنے بیان کر دیں اور کہہ دیں کہ اگر ایسی صورت حال میں بھی آپ لوگوں کی حس انصاف ہمیں مجرم اور قابل سزا سمجھتی ہے تو آپ ضرور سزا دے دیں، ہم آپ کی ان عدالتوں سے بالاتر ایک عدالت سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہمارا اور آپ کا انصاف ضرور کرے گی۔

"تسعیر" کے سلسلہ میں چونکہ ذکر آگیا ہے اس لیے میں مختصراً یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس معاملہ میں اسلام کی پالیسی کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں قیمتیں چڑھ گئی تھیں۔ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ قیمتیں مقرر فرما دیجیے، لیکن آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں اپنے خدا سے اس حال میں ملنا چاہتا ہوں کہ میرے اوپر تم میں سے کسی کے مال یا جان کا دعویٰ نہ ہو۔ پھر آپ نے مسلسل اپنے خطبوں میں اور اپنی گفتگوؤں میں یہ فرمانا شروع کیا کہ ضروریات زندگی کو بازار میں لانے والا خدا سے رزق اور رحمت پاتا ہے اور ان کو روک رکھنے والا خدا کی لعنت کا مستحق ہوتا ہے، اور یہ کہ جس نے چالیس روز تک غلہ روک کر رکھا تاکہ قیمتیں چڑھیں اور وہ ان حالات میں ناجائز فائدہ اٹھائے تو اللہ کا اس سے اور اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور یہ کہ جس شخص نے چالیس دن غلہ روک رکھا، پھر اگر وہ سارا غلہ خیرات بھی کر دے تو یہ اُس گناہ کی تلافی نہیں کرتا جو اس نے ۴۰ دن غلہ روک کر کیا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم احتکار کے خلاف مسلسل تبلیغ و تلقین فرماتے رہے، یہاں تک کہ تاجروں کے نفس کی اصلاح خود بخود ہو گئی اور جو ذخیرے روکے گئے تھے وہ سب بازار میں آگئے۔ یہ شان ہے اس حاکم کی جس کی حکومت اخلاق فاضلہ کی بنیادوں پر قائم ہو۔ اس کی اصل قوت پولیس اور عدالت اور آرڈیننس نہیں ہوتے بلکہ وہ انسانوں کے قلب و روح کی تہوں میں برائی کی جڑوں کا استیصال کرتا ہے، نیتوں کی اصلاح کرتا ہے اور لوگوں سے رضا کارانہ اپنے ان احکام کی پابندی کراتا ہے جو صحیح اخلاقی بنیادوں پر قائم ہوتے ہیں۔ برعکس اس کے یہ حکام جن کی اپنی نیتیں درست نہیں ہیں، جن کے اپنے اخلاق فاسد ہیں اور جن کی حکمرانی کے لیے جابرانہ تسلط کے سوا اور کوئی بنیاد موجود نہیں ہے، اگر کبھی انھیں ایسے حالات سے سابقہ پیش آتا ہے جیسے آج کل درپیش ہیں تو یہ سارا کام جبر سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں اور اخلاق کی اصلاح کرنے کے بجائے فساد اخلاق کی رہی سہی کسر بھی پوری کر دیتے ہیں۔

اسلامی ریاست اور ذمی رعایا

سوال: میں ہندو مہا سبھا کا ورکر ہوں۔ سال گزشتہ صوبہ ..... کی ہندو سبھا کا پروپیگنڈا سیکرٹری منتخب ہوا تھا۔ میں حال ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں جناب کے نام سے شناسا ہوا ہوں۔ آپ کی چند کتابیں مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ اول و دوم، اسلام کا نظریہ سیاسی، اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے، سلامتی کا راستہ وغیرہ دیکھی ہیں، جن کے مطالعہ سے اسلام کے متعلق میرا نظریہ قطعاً بدل گیا ہے اور میں ذاتی طور پر یہ خیال کرتا ہوں کہ اگر یہ چیز کچھ عرصہ پہلے ہو گئی ہوتی تو ہندو مسلم مسئلہ اس قدر پیچیدہ نہ ہوتا جس حکومتِ الٰہیہ کی آپ دعوت دے رہے ہیں اس میں زندگی بسر کرنا قابلِ فخر ہو سکتا ہے۔ مگر چند امور دریافت طلب ہیں، خط و کتابت کے علاوہ ضرورت ہو گی تو جناب کا نیاز بھی حاصل کروں گا۔

سب سے پہلی چیز جو دریافت طلب ہے وہ یہ ہے کہ ہندوؤں کو حکومتِ الٰہیہ کے اندر کس درجہ میں رکھا جائے گا؟ آیا ان کو اہلِ کتاب کے حقوق دیے جائیں گے یا ذمی کے؟ اہلِ کتاب اور ذمی لوگوں کے حقوق کی تفصیل ان رسائل میں بھی نہیں ملتی۔ مجھے جہاں تک سندھ پر عربی حملہ کی تاریخ کا علم ہے، محمد بن قاسم اور اس کے جانشینوں نے سندھ کے ہندوؤں کو اہلِ کتاب کے حقوق دیے تھے۔ امید ہے کہ آپ اس معاملہ میں تفصیلی طور پر اظہارِ خیال کریں گے۔

نیز یہ بھی فرمائیے کہ اہلِ کتاب اور ذمی کے حقوق میں کیا فرق ہے؟ کیا وہ ملک کے نظم و نسق میں برابر کے شریک ہو سکتے ہیں؟ کیا پولیس، فوج اور قانون نافذ کرنے والی جماعت میں ہندوؤں کا حصہ ہو گا؟ اگر نہیں تو کیا ہندوؤں کی اکثریت والے صوبوں میں آپ مسلمانوں کے لیے وہ پوزیشن قبول کرنے کو تیار ہوں گے جو کہ آپ حکومتِ الٰہیہ میں ہندوؤں کو دیں گے؟

دوسری دریافت طلب چیز یہ ہے کہ کیا قرآن کے فوجداری اور دیوانی احکام مسلمانوں کی طرح ہندوؤں پر بھی حاوی ہوں گے؟ کیا ہندوؤں کا قومی قانون (Personal Low) ہندوؤں پر نافذ ہو گا یا نہیں؟ میرا مدعا یہ ہے کہ ہندو اپنے قانونِ وراثت، مشترکہ فیملی سسٹم اور متبنّیٰ وغیرہ بنانے کے قواعد (مطابق منوشاستر) کے مطابق زندگی بسر کریں گے یا نہیں؟

واضح رہے کہ یہ سوالات محض ایک متلاشیِ حق کی حیثیت سے پیش کیے جا رہے ہیں۔

جواب:- میں آپ کے ان خیالات کی دل سے قدر کرتا ہوں جو آپ نے اپنے عنایت نامہ میں ظاہر کیے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان میں ہندو مسلم مسئلہ کو پیچیدہ اور ناقابلِ حل حد تک پیچیدہ بنا دینے کی ذمہ داری ان لوگوں پر ہے جنھوں نے اصولِ حق اور راستی کی بنیادوں پر مسائلِ زندگی کو حل کرنے کے بجائے شخصی، خاندانی، طبقاتی، نسلی اور قومی بنیادوں پر انھیں دیکھنے اور حل کرنے کی کوشش کی اس کا انجام وہی کچھ ہونا چاہیے تھا جو آج ہم دیکھ رہے ہیں۔ اور اس بدقسمتی میں ہم آپ سب برابر کے شریک ہیں، کوئی بھی فائدے میں نہیں ہے۔

آپ نے جو سوالات کیے ہیں ان کے مختصر جوابات نمبروار درج ذیل ہیں:-

۱۔ اگر حکومتِ الٰہیہ قائم ہو تو اس کی حیثیت "ایک قوم کی حکومت دوسری قوم یا اقوام پر" کی نہ ہو گی، بلکہ دراصل وہ ایک اصول کی حکومت ہو گی اور اس کو چلانے کی ذمہ داری ظاہر بات ہے کہ وہی لوگ اٹھا سکیں گے جو اس اصول کو ماننے والے ہوں۔ دوسرے لوگ جو اس اصول کو نہ مانتے ہوں یا کم از کم اس پر مطمئن نہ ہوں، ان کو اس حکومت میں قدرتی طور پر "اہلِ ذمہ" کی حیثیت حاصل ہو گی یعنی جن کی حفاظت کی ذمہ داری وہ لوگ لیتے ہیں جو اس اصولی حکومت کو چلانے والے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۔ "اہلِ کتاب" اور عام "اہلِ ذمہ" کے درمیان اس کے سوا کوئی فرق نہیں ہے کہ اہلِ کتاب کی عورتوں سے مسلمان نکاح کر سکتے ہیں اور دوسرے ذمیوں کی عورتوں سے نہیں کر سکتے۔ لیکن حقوق میں ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

۳۔ ذمیوں کے حقوق کے بارے میں تفصیلات تو میں اس خط میں نہیں دے سکتا، البتہ اصولی طور پر آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ ذمی دو طرح کے ہو سکتے ہیں۔ ایک وہ جو اسلامی حکومت کا ذمہ قبول کرتے وقت کوئی معاہدہ کریں اور دوسرے وہ جو بغیر کسی معاہدہ کے ذمہ میں داخل ہوں۔ پہلی قسم کے ذمیوں کے ساتھ تو وہی معاملہ کیا جائے گا جو معاہدہ میں طے ہوا ہو۔ رہے دوسری قسم کے ذمی، تو ان کا ذمی ہونا ہی اس بات کو مستلزم ہے کہ ہم ان کی جان اور مال اور آبرو کی اسی طرح حفاظت کرنے کے ذمہ دار ہیں جس طرح خود اپنی جان اور مال اور آبرو کی کریں گے۔ ان کے شہری حقوق وہی ہوں گے جو مسلمانوں کے ہوں گے۔ ان کے خون کی قیمت وہی ہوگی جو مسلمان کے خون کی ہے۔ ان کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی ہوگی۔ ان کی عبادت گاہیں محفوظ رہیں گی۔ ان کو اپنی مذہبی تعلیم کا انتظام کرنے کا حق دیا جائے گا اور اسلامی تعلیم بہ جبر ان پر نہیں ٹھونسی جائے گی۔

ذمیوں کے متعلق قانون کی تفصیلات ان شاء اللہ ہم ایک کتاب کی شکل میں الگ شائع کریں گے۔

۴۔ جہاں تک ذمیوں کے پرسنل لا کا تعلق ہے وہ ان کی مذہبی آزادی کا ایک لازمی جز ہے، اس لیے اسلامی حکومت ان کے قوانین نکاح و طلاق اور قوانین وراثت و تبنیت کو اور ایسے ہی دوسرے تمام قوانین کو جو ملکی قانون (Law of the Land) سے نہ ٹکراتے ہوں، ان پر جاری کرے گی، اور صرف ان امور میں ان کے پرسنل لا کے نفاذ کو برداشت نہ کرے گی جن میں ان کا برا اثر دوسروں پر پڑتا ہو۔ مثال کے طور پر اگر کوئی ذمی قوم سود کو جائز رکھتی ہو تب بھی ہم اس کو اسلامی حکومت میں سودی لین دین کی اجازت نہ دیں گے کیونکہ اس سے پورے ملک کی معاشی زندگی متاثر ہوتی ہے۔ یا مثلاً اگر کوئی ذمی قوم زنا کو جائز رکھتی ہو تو ہم اسے اجازت نہ دیں گے کہ وہ اپنے طور پر بدکاری (Prostitution) کا کاروبار جاری رکھ سکے، کیونکہ یہ اخلاقِ انسانی کے مسلمات کے خلاف ہے اور یہ چیز ہمارے قانونِ تعزیرات (Criminal Law) سے بھی ٹکراتی ہے، جو ظاہر ہے کہ ملکی قانون (Law of the Land) بھی ہوگا۔ اسی پر آپ دوسرے امور کو قیاس کر سکتے ہیں۔

۵۔ آپ کا یہ سوال کہ آیا ذمی ملک کے نظم و نسق میں برابر کے شریک ہو سکتے ہیں، مثلاً پولیس، فوج اور قانون نافذ کرنے والی جماعت میں ہندوؤں کا حصہ ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا ہندوؤں کی اکثریت والے صوبوں میں آپ مسلمانوں کے لیے وہ پوزیشن منظور کریں گے جو آپ ہندوؤں کو حکومتِ الٰہیہ میں دیں گے؟ ــــــ یہ سوال میرے نزدیک دو غلط فہمیوں پر مبنی ہے۔ ایک یہ کہ اصولی غیر قومی حکومت (Ideological-Non National state) کی صحیح حیثیت آپ نے اس میں ملحوظ نہیں رکھی ہے۔ دوسرے یہ کہ "پاکستان اور ہندوستان" کی ذہنیت اس میں جھلکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

جیسا کہ میں نمبر اول میں تصریح کر چکا ہوں، اصولی حکومت کو چلانے اور اس کی حفاظت کرنے کی ذمہ داری صرف وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو اس اصول پر یقین رکھتے ہوں۔ وہی اس کی اسپرٹ سمجھ سکتے ہیں، انہی سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ پورے خلوص کے ساتھ اپنا دین و ایمان سمجھتے ہوئے اس "ریاست" کے کام کو چلائیں گے اور انہی سے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ اس ریاست کی حمایت کے لیے اگر ضرورت پڑے تو میدانِ جنگ میں قربانی دے سکیں گے۔ دوسرے لوگ جو اس اصول پر ایمان نہیں رکھتے، اگر حکومت میں شریک کیے بھی جائیں گے تو نہ وہ اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصولی اور اخلاقی روح کو سمجھ سکیں گے، نہ اس روح کے مطابق کام کر سکیں گے اور نہ اُن میں کے اندر ان اصولوں کے لیے اخلاص ہو گا جن پر اس اصولی حکومت کی عمارت قائم ہو گی۔ سول محکموں میں اگر وہ کام کریں گے تو ان کے اندر ملازمانہ ذہنیت کار فرما ہو گی اور محض روزگار کی خاطر وہ اپنا وقت اور اپنی قابلیتیں بیچیں گے۔ اور اگر وہ فوج میں جائیں گے تو ان کی حیثیت کرائے کے سپاہیوں (Marcenaries) جیسی ہو گی اور وہ ان اخلاقی مطالبات کو پورا نہ کر سکیں گے جو اسلامی حکومت اپنے مجاہدوں سے کرتی ہے۔ اس لیے اصولاً اور اخلاقی اعتبار سے اسلامی حکومت کی پوزیشن اس معاملہ میں یہ ہے کہ وہ فوج میں اہلِ ذمہ سے کوئی خدمت نہیں لیتی بلکہ اس کے برعکس فوجی حفاظت کا پورا بار مسلمانوں پر ڈال دیتی ہے اور اہلِ ذمہ سے صرف جزیہ لینے پر اکتفا کر لی ہے (جزیہ اور فوجی خدمت دونوں بیک وقت اہلِ ذمہ سے نہیں لیے جا سکتے)۔ رہے سول محکمے تو ان میں سے کلیدی مناصب (Key Positions) اور وہ عہدے جو پالیسی کے تعین و تحفظ سے تعلق رکھتے ہیں، بہرحال اہلِ ذمہ کو نہیں دیے جا سکتے۔ البتہ محض کارکنوں کی حیثیت سے ذمیوں کی خدمات حاصل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اسی طرح جو مجلسِ شوریٰ کے لیے منتخب کی جائے گی اس میں بھی اہلِ ذمہ کو رکنیت یا رائے دہندگی کا حق نہیں ملے گا۔ البتہ ذمیوں کی الگ کونسلیں بنا دی جائیں گی جو ان کی تہذیبی خود اختیاری کے انتظام کی دیکھ بھال بھی کریں گی اور اس کے علاوہ ملکی نظم و نسق کے متعلق اپنی خواہشات، اپنی ضروریات اور شکایات کا اظہار بھی کر سکیں گی جن کا پورا پورا لحاظ اسلامی مجلسِ شوریٰ (assembly) کرے گی۔

صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ حکومتِ الٰہیہ کسی قوم کا اجارہ نہیں ہے۔ جو بھی اس کے اصول کو تسلیم کرے وہ اس حکومت کو چلانے میں حصہ دار ہو سکتا ہے، خواہ وہ ہندو زادہ ہو یا سکھ زادہ۔ لیکن جو اس کے اصول کو تسلیم نہ کرے وہ خواہ مسلم زادہ ہی کیوں نہ ہو، حکومت کی محافظت (Pro-tection) سے فائدہ تو اٹھا سکتا ہے لیکن اس کے چلانے میں حصہ دار نہیں ہو سکتا۔

آپ کا یہ سوال کہ "کیا تم ہندو اکثریت والے صوبوں میں مسلمانوں کی وہی پوزیشن قبول کرو گے جو حکومتِ الٰہیہ میں ہندوؤں کو دو گے"، یہ دراصل پاکستانیوں سے کیا جانا چاہیے نہ کہ ہم سے۔ اگر آپ یہ سوال ہم سے کرتے ہیں تو ہم اس کا جواب اصولی حیثیت سے دیں گے اور وہ یہ ہے کہ جہاں حکومت قائم کرنے کے اختیارات ہندوؤں کو حاصل ہوں وہاں آپ اصولاً دو ہی طرح کی حکومتیں قائم کر سکتے ہیں: یا ایسی حکومت جو ہندو مذہب کی بنیاد پر قائم ہو، یا پھر ایسی حکومت جو ہندو قومیت کی بنیاد پر ہو۔ پہلی صورت میں آپ کے لیے یہ کوئی سوال نہیں ہونا چاہیے کہ جیسے حقوق حکومتِ الٰہیہ میں ہندوؤں کو ملیں گے ویسے ہی حقوق ہم "رام راج" میں مسلمانوں کو دیں گے، بلکہ آپ کو اس معاملہ میں اگر کوئی رہنمائی ہندو مذہب میں ملتی ہے تو بے کم و کاست اسی پر عمل کریں، قطع نظر اس سے کہ دوسرے کس طرح عمل کرتے ہیں۔ اگر آپ کا معاملہ ہمارے معاملے سے بہتر ہو گا تو اخلاق کے میدان میں آپ ہم پر فتح پالیں گے، اور بعید نہیں کہ ایک روز ہماری حکومتِ الٰہیہ آپ کے رام راج میں تبدیل ہو جائے۔ اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا تو ظاہر ہے کہ دیر یا سویر نتیجہ بھی برعکس نکل کر ہی رہے گا۔

رہی دوسری صورت کہ آپ کی حکومت ہندو قومیت کی بنیاد پر قائم ہو تو اس صورت میں بھی آپ کے لیے اس کے سوا چارہ نہیں کہ یا تو جمہوری (Democratic) اصول اختیار کریں اور مسلمانوں کو ان کی تعداد کے لحاظ سے حصہ دیں، یا پھر صاف صاف کہہ دیں کہ یہ ہندو قوم کی حکومت ہے اور مسلمانوں کو اس میں ایک مغلوب قوم (Subject Nation) کی حیثیت سے رہنا ہو گا۔ ان دونوں صورتوں میں سے جس صورت پر بھی آپ چاہیں مسلمانوں سے معاملہ کریں، بہرحال آپ کے برتاؤ کو دیکھ کر اسلامی ریاست اُن اصولوں میں ذرہ برابر بھی کوئی تغیر نہ کرے گی جو ذمیوں سے معاملہ کرنے کے لیے قرآن و حدیث میں مقرر کر دیے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر آپ اپنی قومی ریاست میں مسلمانوں کا

© rasailojaraid.com